Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

خواجہ حیدر علی آتش کی غزل کا تلمیحاتی نظام

ALLUSIVE SYSTEM OF KHAWAJA HAIDER ALI ATISH'S GHAZAL

MATLOOB HUSSAIN[1]

Abstract:

Ghazal has a key position in the poetic genres of Urdu literature. There are many reasons behind this superiority. One of the reasons is it's allusive system.With the help of allusions, any writer narrates great events very briefly .Instead of creating a thirst for poetry and literature, it creates a sense of humor and meaning. Khawaja Haider Ali Atash has suitably used various allusions in his poetry which has made it more attractive. If the allusions are separated from Atash's words/verses, his present status will not remain. Atash knows very well when to use allusions and which allusions is to use. That's why he was called the representative poet of his time.

خواجہ حیدر علی آتش نہ صرف دبستان لکھنو کے نمائندہ غزل گو شاعر ہیں بلکہ اردو غزل کی روایت میں انہیں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ان کی غزل جہاں لکھنوی مزاج اور انداز کی عکاسی کرتی ہے وہیں پر ایک مخصوص توازن اور سلجھا ہوا انداز بیان ان کے کلام کو دہلویت کے بھی قریب تر کرتا ہے۔وہ شاعری کو مرصع سازی کا فن سمجھتے ہیں اسی لیے تو ان کے کلام کا ایک ایک لفظ دلہن کی طرح سجا بنا اور اپنا سحر طاری کرتا نظر آتا ہے۔اس امر سے بھی انکار ممکن نہیں کہ انہوں نے لکھنوی رنگ کو بھی اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا لیکن اس میں بعض دیگر اپنے ہم عصر شعرا کی طرح عامیانہ پن، مریضانہ جنسی طلب اور ابتذال کا شکار نہیں ہوئے۔ایک رکھ رکھاؤ، حجاب اور بلند خیالی ہمیشہ ان کی شاعری اور ذات کا واضح حصہ رہی۔ڈاکٹر غلام آسی رشیدی کے بقول:

> "آتش نے شاعری کو مرصع سازی سے تشبیہ دی ہے مگر اچھی شاعری نہ تو محض وفاداری سے ممکن ہے اور نہ ہی مرصع سازی سے۔حقیقت یہ ہے کہ آتش کی غزل مرصع سازی کے علاوہ اور بھی کچھ ہے۔آتش کی غزل میں پہلی بار حسن اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔"(۱)

آتش نے اپنے کلام کو دلکش بنانے کے لیے متنوع فکری موضوعات کے ساتھ، دلفریب فنی وسائل سے بھی کام لیا ہے۔انہیں اس بات میں مکمل مہارت اور ملکہ حاصل تھا کہ کسی عام سے عام بات کو بھی اپنے انداز بیان کی دلکشی سے کس طرح جادو بنانا ہے۔ان کا کلیات اس امر پر دلالت ہے کہ ان کا بحور کا انتخاب ماہرانہ ہے۔وہ قافیہ لانے میں ید طولی رکھتے ہیں۔ان کی ردیفیں متحرک ہیں جو معنی کی وسعتوں میں بے کنار اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ان کے الفاظ کا چناؤ بر محل ہے۔وہ تشبیہات و استعارات کے استعمال سے بھی پوری طرح آشنا ہیں۔رام بابو سکسینہ آتش کی ان شاعرانہ خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ترشے ہوئے الفاظ آب دار موتیوں کی لڑی میں پروئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔اکثر اشعار میں روانی موسیقیت کی حد تک پہنچ گئی ہے۔محاورات ایسے بر محل استعمال کیے ہیں کہ شاعری مرصع سازی معلوم ہوتی ہے۔فوق البھڑک الفاظ ان کے یہاں بہت کم ہیں۔زبان مزے دار اور روزمرہ کی بول چال ہے جس میں ابتذال نہیں۔"(۲)

آتش کے کلام کی ایک اور خوبی جو انہیں حال سے رشتہ استوار رکھنے کے باوجود ماضی اور ماضی بعید سے جوڑ کر ان کی شعری وسعتوں اور جمالیات میں اضافہ کرتی ہے وہ رنگارنگ تلمیحات کا استعمال ہے۔ان کی غزلیات میں تلمیحات کا ایک بھرپور نظام قاری کو خوش آمدید کہنے کو بازوں پھیلائے مسکراتا نظر آتا ہے۔یہ

[1] Lecturer, Department of Urdu, Govt. Post Graduate College, Sahiwal.

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تلمیحات کہیں تو معاشرتی و سماجی حوالہ لیے ہوئے ہیں تو کہیں ان میں کوئی معروف تاریخی واقعہ پر پھیلائے کھڑا نظر آتا ہے اسی طرح بعض تلمیحات کا سرا کسی نہ کسی مذہبی متھ سے جاملتا ہے۔ محولہ بالا تقسیم سے قطع نظر آتش کا کمال یہ ہے کہ وہ جس تلمیح کو بھی اپنے شعری تجربے کا حصہ بناتے ہیں یوں لگتا ہے کہ یہ تلمیحاتی کیفیت اسی شعر کے لیے عالم وجود میں آئی تھی۔ سید رضی عابدی کے الفاظ میں:

> ”آتش کے کلام کا تکنیکی مطالعہ پہلی ہی قرات میں قاری کو اپنے فسوں میں لے لیتا ہے۔ ان کی مناسب اور متنوع بحور، قافیہ و ردیف کی ہنر کاری، تشبیہات و استعارات کا بر محل استعمال اور بطور خاص تلمیحات کی رنگا رنگی شعر کو مرصع ساز کا فن بنا دیتی ہے۔ تلمیحات کلام آتش کا مطالعہ انہیں دبستان لکھنؤ کی نمائندگی کی سند عطا کرتا ہے۔“(۳)

معشوق کو خوبصورت اور سنگ دل کہنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر زمانے کا عاشق اپنے دل کے جذبات سے مجبور ہو کر حسن بے پروا کو مثالی و یکتا مظہر جمال کہتا دکھائی دے گا۔ لیکن جب لاکھ جتن کرنے کے باوجود مطلوب مائل التفات نہ ہو یہی عشاق اپنے پیتم کو سنگ دل یا پتھر کا کہہ کر اپنے من کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ مقصد محبوب کو جذباتی کر کے اپنی طرف راغب کرنا ہوتا ہے۔ آتش کا ستم پیشہ یار بھی بڑا سخت گیر اور بے حس ہے اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی شخص اس کی محبت میں جی جان کی بازی لگانے کو تیار بیٹھا ہے۔ آتش نے ایسی صورت حال کو دو معروف تلمیحات کے ذریعے اس دلفریبی سے بیان کیا ہے کہ خود بخود ہی داد دینے کو من بھڑک اٹھتا ہے۔ شاعر کے خیال میں ان کے پری پیکر کا چہرہ ایسے روشن اور چمکتا ہوا کہ جیسے حضرت موسیٰ کا معجزہ ید بیضا کی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی چمک لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے معشوق کا دل ایسا سخت ہے جیسے وہ کوئی اپنے وقت کا فرعون ہو۔ جس طرح فرعون عام معصوم جانوں کو بے دردی سے قتل کروا دیتا اور اسے ذرا بھی دکھ یا افسوس نہ ہوتا تھا بالکل اسے طرح آتش کا دلبر بھی اپنے چاہنے والوں کو اپنے حسن کی تلوار سے کاٹتا چلا جاتا ہے۔ عشاق اس کے سامنے مرغ بسمل کی طرح تڑپتے نظر آتے ہیں لیکن وہ ان پر نہ تو مہر کی نگاہ ڈالتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے چاہنے والوں کی اس کیفیت سے کوئی فرق پڑتا ہے۔

آتش نے فرعون اور ید بیضا کی تلمیحات سے نہ صرف شعر کے معنوی کینوس کو وسعت بخشی ہے بلکہ شعر کو سحر بنا دیا ہے:

قدرت حق ہے صباحت سے تماشا ہے وہ رخ
خال مشکیں دل فرعوں ،ید بیضا ہے وہ رخ(۴)

حضرت نوح علیہ السلام، اللہ پاک کے مقرب نبی تھے انہوں نے کئی سو سال پیغام حق لوگوں تک پہنچایا لیکن کل اسی لوگ راہ راست پر آسکے۔ دنیاوی ہوس پرستوں نے پیغمبر حق کو بہت پریشان کیا اور مختلف طریقوں سے انہیں اذیت پہنچانے کی کوشش میں لگے رہے۔ بالآخر تنگ آکر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سرکش لوگوں کے لیے اللہ کے حضور بد دعا کی تو بارش کے طوفان کا نہ تھمنے والا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس نے سب کچھ اپنی لپیٹ میں لے لیا ماسوائے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والوں کے۔ اسی بنا پر حضرت نوح کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ آتش نے اس تلمیح کو ایک نئے انداز سے اپنے شعر میں برت کر اس وسعت کو نئی صورت عطا کر دی ہے:

گردش دوراں سے مردان خدا بے باک ہیں
نوح کی کشتی کو اندیشہ نہیں گرداب میں(۵)

دنیا کی بے ثباتی کا بیان غزل کا محبوب ترین موضوع رہا ہے۔ اس کے پیچھے کبھی تو شاعر کے ذاتی حالات و واقعات کار فرما ہوتے ہیں تو کبھی معاشرتی بے چارگی شاعر کو رجائیت کا دامن چھوڑ کر قنوطیت کا اسیر بنا دیتی ہے۔ پر ہر دو حوالوں سے اس کا وجود غزل کے ارتقاء کا ساتھی ہے۔

آتش چونکہ صوفیانہ مزاج رکھنے کے ساتھ تصوف سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے لہٰذا ان کی شاعری میں ان کی اس وابستگی کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے محمد ذاکر کے مطابق:

> ”صوفیانہ شاعری کے لیے باقاعدہ صوفی ہونا ضروری نہیں اور آتش باقاعدہ صوفی تھے بھی نہیں۔ البتہ ان کی وسیع المشربی، رواداری، صفائے قلب کی ان کی نظر میں اہمیت، انسان کی عظمت اور خود ان کی لکھنو کے ماحول میں رہنے کے باوجود بے نیازی، قناعت پسندی اور توکل، مختصراً ان کی آزادگی، اور بے نیازانہ زندگی

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

انہیں صوفیانہ مسلک کے قریب تر کر دیتی ہے۔ان باتوں کے علاوہ ان کے کلام میں ایسے مضامین بھی ہیں جو خالص تصوف کہلاتے ہیں مثلاً معرفت خدا وندی،جبر و اختیار،وحدت الوجود،بقا و فنا،ترک رسوم وغیرہ۔"(۶)

دنیا کے فانی ہونے کا مضمون اگرچہ کثرت استعمال سے اپنی ندرت کھو چکا ہے لیکن اس کے باوجود آتش کی غزل میں جہاں جہاں اس رنگ کے اشعار ملتے ہیں ان کی سج دھج اور اثر آفرینی بھرپور تاثر چھوڑتی ہے۔ایک شعر ملاحظہ کیجیے کہ جس میں انہوں نے زندگی اور دنیا کے عارضی ہونے کو کیسی بر محل تلمیح کا اظہار بخشا ہے۔آتش کے خیال میں ایک نہ ایک دن سب انسانوں کو اس کائنات رنگ و بو کو چھوڑنا پڑے گا کہ یہ ایسا معاملہ ہے جو ان کے اختیار میں نہیں۔بالکل ایسے ہی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر سے کنعان کی مسافرت پر ان کا بس اور اختیار نہ تھا:

عدم کو بازگشت روح ہے اک روز ہستی سے
ارادہ بندھ رہا ہے مصر سے یوسف کو کنعاں کا(۷)

یوسف کے واقعے کی طرف جب بھی اشارہ ہو گا تو حضرت زلیخا کا نام آنا لازم و ملزوم ہے۔یوسف کی تلمیح جن تاریخی حقائق کی طرف توجہ مبذول کرواتی ہے،زلیخا کا ذکر یا تلمیح ان معاملات کو مزید اجاگر اور عیاں کرنے کا وسیلہ ثابت ہوتی ہے۔غزلیہ روایت میں زلیخا کی تلمیح محبت کی طاقت کو بیان کرنے کے لیے بھی لائی جاتی ہے تو بعض اوقات حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی یکتائی بیان کرنا بھی شاعر کا مقصود ہوتا ہے۔آتش کے ہاں بھی اس کو اشعار کا حصہ بنایا گیا ہے جو شاعر کے منفرد دبیانیے سے اچھوتی لذت و سرشاری کا موجب بن گیا ہے:

نہ کھینچا تھا زلیخا کو دامن یوسف
اسی کا پردہ عصمت دریدہ ہونا تھا(۸)

کوئی باپ اپنی اولاد سے کتنی اور کیسی محبت رکھتا ہے اس کا اندازہ حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کی صورت میں جو حالت حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہوئی اس کو پڑھنے سے کیا جا سکتا ہے۔یعقوب علیہ السلام جو اللہ پاک کے نبی تھے وہ اپنے بیٹے کے فراق میں مسلسل زار و قطار روتے رہتے جس سے ان کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔یہ جدائی کا زمانہ خاصے طویل عرصے پر محیط ہے۔اس دورانیے میں حضرت یوسف بھائیوں کی طرف سے پھینکے گئے کنویں سے ہوتے ہوئے مصر میں بطور غلام پہنچے اور مختلف آزمائشوں سے گزرتے ہوئے بادشاہ بنے۔معجزاتی طور پر پیرہن یوسف جب حضرت یعقوب کی آنکھوں کو لگایا گیا تو ان کی بینائی لوٹ آئی۔آتش نے اپنے اشعار میں یعقوب کی تلمیح برت کر محولہ بالا مفصل قصے کو ایک آدھ لفظی اشارے سے اس طرح قارئین تک پہنچا دیا ہے کہ شعر پڑھنے والے شعور کی رو پر سفر کرتے ہوئے زمانہ ماضی میں پہنچتے ہوئے سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے رونما ہوتا دیکھنے لگتے ہیں۔زبان و بیان کی سادگی اور سامنے کے عام سے مفہوم کے باوجود تلمیح نے شعر کو پر کشش بنا دیا ہے:

کیوں نہ یعقوب کو یوسف ہو عزیز
کس کو پیارا نہیں فرزند اپنا(۹)

خضر علیہ السلام اور رہنمائی خضر کی تلمیح نے بعض دیگر تلمیحات کو جنم دیا ہے جیسے چشمہ حیواں،آب بقا اور آب حیات وغیرہ۔خضر کی شخصیت کے بارے میں طرح طرح کی روایات و حکایات مشہور ہیں جن کو بنیاد بنا کر شعرا نے نئے نئے مضامین تراشے ہیں۔ڈاکٹر عطاء الرحمن صدیقی اس تناظر میں بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دراصل ان کے بارے یہ تصور ہے کہ ان کی رسائی چشمہ آب حیات تک ہو گئی تھی اور انہوں نے آب حیات پی لیا تھا۔اسی لیے انہیں حیات دوام حاصل ہو گئی۔یہی وجہ ہے کہ خضر اور چشمہء حیواں یا چشمہء آب بقا کی تلمیحات ساتھ ساتھ ملتی ہیں۔اسی تصور کی بنا پر عمر خضر کی تلمیح تراشی گئی ہے اور پھر عمر خضر کو بنیاد بنا کر طرح طرح کی خیال آرائیاں کی گئی ہیں۔"(۱۰)

جیسے کچھ شعرا خضر اور سکندر کی تلمیح کو اشعار میں باندھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دراصل خضر علیہ السلام کو اس پانی کا پتہ معلوم تھا کہ جسے پی کر انسان حیات جاوداں پا جاتا ہے لیکن چشمہء حیات پر پہنچنے پر اس سے پہلے کہ سکندر وہ پانی پیتا رہنما یعنی خضر نے وہ پانی پی لیا اسی سبب وہ آج بھی زندہ ہیں۔اسی طرح کہیں

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کہیں یہ مضمون بھی اشعار کے پردے میں نظر آتا ہے کہ آب حیات کے چشمے کے پاس عمر رسیدہ لوگوں کی حالت دیکھ کر خضر علیہ السلام بنا پانی پیے ہی لوٹ آئے تھے۔

آتش نے بھی خضر اور سکندر کی تلمیح کو اپنی شعری کائنات میں برتا ہے لیکن ان کی مشاہداتی قوت چبائے ہوئے مضامین کی جگالی نہیں کرتی بلکہ ان کا کائناتی مطالعہ روایتی سوتوں سے بھی نئے جہان پیدا کر لیتا ہے۔ دیکھیے آتش نے کس طرح آب حیات تک رسائی میں خضر اور سکندر کے مابین ایک میدان گرم کر کے حضرت خضر کو مرگ کی منزل پر سکندر سے بعد میں پہنچنے والا ثابت کرتے ہوئے ایک نئی صورت حال تخلیق دے دی ہے:

سبقت جو زندگی میں سکندر سے کی تو کیا
اے خضر پیچھے مرگ کی منزل میں رہ گیا(۱۱)

محبوب، طالب کے لیے دنیا کی سب سے قیمتی اور خوب صورت ترین شے ہے جس کا وجود تو درکنار اس کا احساس بھی عاشق کے لیے حیات بخش ہوتا ہے۔ اردو و فارسی شاعری اس قسم کے مضامین سے بھری پڑی ہے۔ آتش نے بھی محبوب کے بارے میں اچھوتے اشعار کہے ہیں۔ وہ لکھنوی دبستان سے وابستگی کے باوجود بے راہ روی کا شکار نہیں ہوتے۔ وہ یار اور جمال یار کو کھیل اور کھلونا نہیں سمجھتے۔ ان کی نظر میں معشوق محبت کے ساتھ احترام کا بھی حق دار ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے بقول:

> "لکھنو کے انحطاط پذیر معاشرہ نے ان کے وقت تک گدلے پانی ایسی صورت اختیار کر لی تھی لیکن آتش اس میں کنول کی طرح عفت جذبات کی علامت بن جاتے ہیں۔ جنس پرستی کے اس لکھنو میں آتش کا کلام کسی لکھنوی بانکے کا نہیں دلی والے کا معلوم ہوتا ہے۔"(۱۲)

آتش کی یار کے حوالے تقدیس اور بلند خیالی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو جو اپنے معشوق کی زلفوں کا دھوون پیے عمر خضر سے بھی لمبی زندگی کی دعا دیتے ہیں:

عمر خضر سے اس کی زیادہ ہو زندگی
دھوون پیے جو یار کی زلف دراز کا(۱۳)

شداد کی دنیاوی جنت والا قصہ انسانی تاریخ کا ایسا المیہ ہے جس نے ایک طرف تو یہ ثابت کر دیا کہ اگر انسان کو کچھ اختیار مل جائے تو وہ اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے۔ اسے اچھے برے اور غلط درست کی تمیز نہیں رہتی۔ وہ ان معاملات میں بھی کودنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے اختیار کے نہیں ہوتے۔ جس کا نتیجہ آخر کار بھیانک انجام کی صورت میں نکلتا ہے۔ جیسا کہ شداد نے دنیا میں فرضی جنت بنائی اسے ہر آسائش و زیبائش سے مزین کیا لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل ناگوار گزرا۔ لہٰذا شداد جب اپنی بنائی ہوئی اس فرضی جنت کی سیر کو نکلا تو جنت کے دروازے پر ہی اپنے انجام کو پہنچا۔ ساحر لکھنوی کے بقول:

> "دروازے پر پہنچ کر اس نے جیسے ہی گھوڑے کی رکاب سے پیر باہر نکالنے کا ارادہ کیا ویسے ہی ملک الموت نے روح قبض کر لی اور شداد خود اپنی ہی بنائی ہوئی جنت میں داخل ہونا تو درکنار اس کو ایک نظر دیکھ بھی نہ سکا۔"(۱۴)

اردو غزل کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں اس امر سے آگاہ کرتا ہے کہ مختلف شعرا نے شداد اور اس کی بنائی گئی جنت کے قصے کو علامتی و تلمیحاتی انداز میں بیان کرتے ہوئے اس سے اپنی مرضی کا مضمون پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آتش کے کلیات میں بھی اس تلمیح کو متنوع رنگوں میں ڈھال کر نئے نئے معنی کی دنیا آباد کی گئی ہے۔ آتش کا متصوفانہ مزاج شداد کے اس فعل کو خدا کی قدرت میں مداخلت گردانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شداد کو دوزخی کہہ کر اس سزا کو دنیاوی فرضی بہشت کا نتیجہ سمجھتے اور کہتے ہیں:

شداد کو خدا سے نہ کرنی تھی ہم سری
دوزخ میں گھر، بہشت کی تعمیر سے ہوا(۱۵)

اللہ بزرگ و برتر نے شداد کو نہ صرف اس کی بنائی ہوئی جنت کی سیر و سیاحت سے محروم رکھا بلکہ اس کا نام و نشان تک مٹا دیا تاکہ بعد کے لوگ اسے نشان عبرت سمجھیں اور اس کا وجود کہیں کمزور ایمان والو کو اپنی طرف مائل نہ کر لے۔ آتش نے اس حقیقت کو بڑے تیکھے مگر دلفریب انداز میں یوں بیان کیا ہے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کہ شعر میں رومان پسندوں کے لیے رومانویت اور غور کرنے والوں پر خدا کی قوت کا پورا پورا اثر جمتا ہوا نظر آتا ہے:

پھرتے ہیں ڈھونڈتے ، نظر آتا نہیں کوئی
کوئے بتاں بھی گلشن شداد ہو گیا(۱۶)

جمشید یا جام جمشید کا تلمیحاتی کلامیہ ایک ایسی کہانی کی نشان دہی کرتا ہے کہ جس میں طلسم ہوش ربا کی کہانیوں کی طرح ایک ایسے پیالے سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے جو لوگوں کی قسمتوں کا احوال بتانے کا ملکہ رکھتا ہے۔ روایت مشہور ہے کہ جمشید کے پاس ایک بیش قیمت جام تھا جس میں مختلف آڑھی ترچھی لکیریں بنی ہوئیں تھیں جن کو دیکھ کر وہ آنے والے کل کا احوال بتا دیتا تھا۔ بعض ادب کی کتابوں میں جام جمشید سے شراب بھی مراد لی گئی ہے جس کا تیار کرنے والا جمشید تھا۔ اردو غزل میں اس تلمیح سے یہ دونوں مفہوم پڑھنے میں آتے ہیں۔ آتش کے کلام میں بھی یہ دونوں رنگ اس تلمیح سے کشید کیے گئے ہیں۔ لیکن آتش کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ صدیوں سے بیان ہوتے موضوع کو اپنے رجائی انداز بیان اور جدت اسلوب سے تازہ کر دیتے ہیں۔ یوں ایک تازگی اور تازہ کاری شعر کے تار و پود سے جھلکنے لگتی ہے۔

جام بھر بھر کے مئے ناب سے دیتا جمشید
آئنہ تجھ کو دکھاتا جو سکندر ہوتا(۱۷)

آتش کو معلوم ہے کہ اس زوال دنیا میں انسان کی صلاحیتوں اور ہنر کاری کی کوئی قدر نہیں بلکہ یہاں وہی شخص کامیاب و کامران دکھائی دے گا جو دکھاوے اور ظاہری بناوٹ میں خوب مہارت رکھتا ہو۔ یہ بات آتش جیسے حساس انسان کے لیے بہت اذیت اور دکھ کا سبب بنتی ہے۔ وہ اپنے اس داخلی کرب سے نجات پانے کے لیے اشعار میں اپنی بے چینی کا تزکیہ کرتے ہوئے موازنے کی فضا کو جنم دیتے ہیں۔ ایسے اشعار کا تاثر اور آہنگ اداس سروں کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ دیکھیے کس منفرد انداز میں محمود و ایاز کی تلمیحات کو استعمال کرتے ہوئے ان میں اس طرح مقابلہ کروا رہے ہیں کہ شاہ و گدا اور مفلس و امیر کی قسمت کا احوال کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ حسن گو کہ پہلی سفارش تصور ہوتا ہے لیکن آتش کے بقول جب اس کا جوڑ دولت سے پڑ جائے تو اس کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں رہتی:

دولت کے سامنے نہیں کچھ قدر حسن بھی
محمود کا ایاز سا خوش رو غلام ہے(۱۸)

لیلیٰ اور مجنوں کی داستان عشق صدیوں سے نثری و شاعرانہ کتابوں کا مرغوب مضمون رہا ہے۔ کچھ شعرا اور نثار نے اس پر پوری پوری مثنویاں اور کتابیں لکھ دی ہیں تو دوسری طرف اردو غزل کا ایک بھی مجموعہ ان کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کے آغاز اور اس کے حقیقی و غیر حقیقی ہونے کے حوالے سے بات کی جائے تو اس بارے میں دونوں طرح کی رائے ملتی ہیں۔ محمود نیازی کے بقول:

> "لیلیٰ مجنوں کی داستان محبت کو ابن خلدون اور ابن خلکان جیسے مستند مورخین نے محض افسانوی ادب قرار دیا ہے۔ ابن الکلبی کا خیال ہے کہ لیلیٰ مجنوں کی کہانی اور مجنوں سے منسوب اشعار بنو امیہ کے کسی شاعر کی تصنیف ہیں اور بعد کے شعرا نے اس میں رنگ آمیزی کی ہے۔ اس داستان کو دائمی شہرت دینے میں سب سے بڑا ہاتھ مولانا نظامی گنجوی کا ہے۔ ان کے مشہور خمسہ کی تیسری مثنوی لیلیٰ مجنوں ہے۔"(۱۹)

آتش نے مجنوں کی تلمیح استعمال کرتے ہوئے عشق کی شدت کو عیاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے خیال میں مجنوں عشاق کے قبیلے کا اہم نام ہے جو آنے والے محبت کے مسافروں کے لیے جذبہ صدق، مستقل مزاجی اور عشق کی پاکیزگی کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ آتش جب بید مجنوں کو دیکھتے ہیں تو انہیں مجنوں کی یاد ستانے لگتی ہے۔ وہ یاد مجنوں میں اس قدر روتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے خون بہنے لگتا ہے:

نظر جو آئے بید مجنوں تو روؤں مجنوں کی یاد میں خوں
جو دیکھوں تیشہ تو سر کو پھوڑوں خیال بندھ جائے کوہ کن کا(۲۰)

فرہاد کو اس کے پیشے کی وجہ سے کوہ کن کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ وہ ایک ماہر سنگ تراش تھا لیکن شیریں (جو خسرو پرویز کی بیوی تھی) کو دیکھتے ہی اس کے مثالی حسن پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اپنے سب ہوش گنوا بیٹھا۔ خسرو پرویز نے اس سے جان چھڑانے کے لیے اس کے سامنے یہ شرط رکھی کی اگر وہ کوہ بیستون

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کے بیچ دودھ کی نہر نکالتے ہوئے خسرو کے محل تک پہنچادئے تو شیریں اس کے سپرد کر دی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ فرہاد نے دن رات کی مشقت کاٹتے ہوئے اس شرط کو پورا کر دیا۔ جب خسرو کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے ایک آدمی کو بڑھیا کے روپ میں کوہ کن کے پاس یہ جعلی خبر پہنچانے کو بھیجا کہ شیریں تو مر چکی ہے۔ یہ سننا تھا کہ فرہاد نے شدت غم میں اپنا ہی تیشہ اپنے سر میں مار کر خود کشی کر لی۔

عشق کی یہ لازوال قربانی لوگوں کو اپنے رومانوی جذبات کی عکاس نظر آئی تو انہوں نے اپنی باتوں اور ادباء نے اپنی تحریروں میں اسے تسلسل سے بیان کرنا شروع کر دیا۔ آتش نے بھی کوہ کن، تیشہ، فرہاد، شیریں، کوہ بیستوں اور خسرو کی تلمیحات کو پور معنویت کے ساتھ اپنے اشعار میں برت کر عمدہ رنگ اور دلفریبی پیدا کی ہے۔ ایسے اشعار میں وہ خود بھی عشق کے میدان کے راہی معلوم ہونے لگتے ہیں:

جانب کہسار جا نکلا جو میں تو کوہکن
اپنا تیشہ میرے سر سے مار کر جاتا رہا(۲۱)

اسی طرح ایک اور شعر ملاحظہ کریں کہ جس میں شاعر نے اس داستان کے تینوں اہم کرداروں یعنی شیریں خسرو اور کوہ کن کو ایک لڑی میں پرو کر محبت رقابت اور رشک کا مضمون باندھا ہے:

عشق شیریں میں عبث دونوں کو ہے آپس میں رشک
کوہ کن خسرو نہ خسرو کوہ کن ہو جائے گا(۲۲)

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آتش کے کلام کو دبستان لکھنو اور اردو غزل کی پوری روایت میں جو اس قدر پذیرائی اور شہرت نصیب ہوئی ہے اس میں ان کی غزلیات کا تلمیحاتی نظام اساسی اہمیت رکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ غلام آسی رشیدی، ڈاکٹر، اردو غزل کا تاریخی ارتقاء، لاہور: دارالشعور، ۲۰۱۵ء، ص:۱۴۳
۲۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، اردو غزل کا تکنیکی، ہیتی اور عروضی سفر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء، ص:۱۰۴
۳۔ رضی عابدی، سید، کلاسیکی اردو غزل کے نمائندہ شعراء، لکھنو: ۱۹۷۸ء، ص:۲۱۹
۴۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء، ص:۲۰۱
۵۔ ایضاً، ص:۲۷۱
۶۔ محمد ذاکر، حیدر علی آتش، دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص:۵۹
۷۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص:۱۱۷
۸۔ ایضاً، ص:۷۵
۹۔ ایضاً، ص:۱۴۹
۱۰۔ عطاء الرحمن صدیقی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، لکھنو: کاکوری آفسیٹ پریس، ۲۰۰۴ء ص:۴۵۴
۱۱۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص:۶۲
۱۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص:۲۰۸
۱۳۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص:۱۵۰
۱۴۔ ساحر لکھنوی، تلمیحات و مصطلحات، لکھنو: ارتقاء پبلشرز، ۱۹۸۶ء، ص:۳۴
۱۵۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص:۱۳۴

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

۱۶۔ ایضاً، ص:۱۵۸

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۴۵

۱۸۔ ایضاً، ص:۴۳۱

۱۹۔ محمود نیازی، تلمیحات غالب، نئی دہلی: غالب اکیڈمی، ۲۰۰۲ء، ص:۱۱۰

۲۰۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیات آتش، ص:۷۶

۲۱۔ ایضاً، ص:۹۹

۲۲۔ ایضاً، ص:۱۲۷